تمام کتب بغیر کسی مالی فائدے کے پی ڈی ایف میں تبدیل کی جاتی ہیں۔
کتابی مواد کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔

سید حسین احسن۔
ایڈمن۔ فیس بک گروپ

03448183736
03145951212
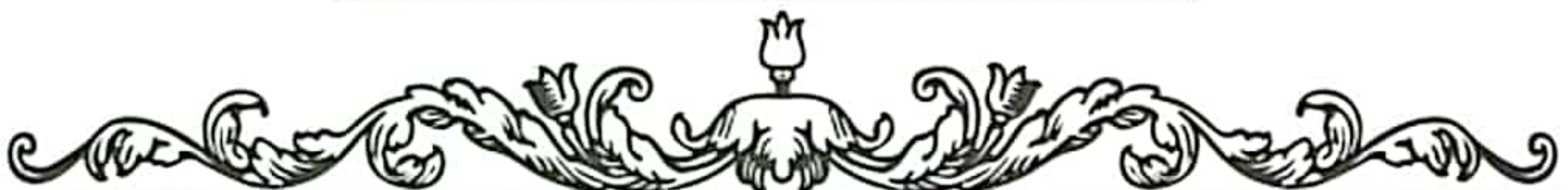
عکس کتنے اُتر گئے مجھ میں
پھر نجانے کدھر گئے مجھ میں

میں نے چاہا تھا زخم بھر جائیں
زخم ہی زخم بھر گئے مجھ میں

میں وہ پل تھا جو کھا گیا صدیاں
سب زمانے گزر گئے مجھ میں

یہ جو میں ہوں ذرا سا باقی ہوں
وہ جو تم تھے وہ مر گئے مجھ میں

میرے اندر تھی ایسی تاریکی
آ کے آسیب ڈر گئے مجھ میں

پہلے اُترا میں دل کے دریا میں
پھر سمندر اتر گئے مجھ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عمّار اقبال

اہتمامِ اشاعت : رحمٰن حفیظ، نعیم گیلانی
نمودِ اوّل : جنوری 2015
سرورق : ظلِ حسنین
تزئین و زیبائش : قاسم حسن گیلانی
مشینی خطاطی : حسنین نقوی
تعداد : پانچ سو

"PARINDGI"
(Urdu poetry by **Ammar Iqbal**)
printed by :
Shirkat printing press
43/Nisbat Road Lahore.
Price : Rs. 400/- (24 $)
Published by :
"INHRAAF PUBLICATIONS"
C/1 LDA Flats 55. lawrance Road,
LAHORE
Cell : 0333 650 92 04
H/n 106 St/13 Phase 1 Margla Town,
Islamabad.
Cell ; 0300 514 57 43
Email: Inhiraaf_publication@yahoo.com

اِنتساب!

والدِ گرامی جناب اقبال مسعود!

" جنہوں نے مجھے چلنا سکھایا

اور

اُستادِ محترم جناب نعیم گیلانی کے نام!

جنہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر لکھنا سِکھایا "

ترے حضور پر توجل گئی مرے
مگر مری پرندگی نہیں گئی

وہاں بھی میری چیخ بن گئی سفیر
جہاں کہ میری خامشی نہیں گئی

وہ واقعہ ہوں جو بیاں نہیں ہوا
وہ داستاں ہوں جو سُنی نہیں گئی

حُسنِ ترتیب

اِعتراف!

اپنے بارے میں بتانے کے لئے میرے پاس ایسا کچھ نہیں جس میں کسی کو دلچسپی ہو۔ جو کچھ تھا اسے شعر کر چکا ہوں، کر رہا ہوں۔ پھر بھی مجھ پر لازم ہے کہ ان دوستوں کا ذکر کروں جو میری تمام تر لاپرواہیوں کے باوجود میرے دوست رہے۔ اور کسی لاشعوری سازش کے تحت مجھے اور لاپرواہ کرتے رہے۔ ان میں سب سے بڑا سازشی ندیم قیس ثابت ہوا، جس نے مجھے یہ تسلی دی کہ میں کبھی بھی کہیں بھی کچھ گڑبڑ کر سکتا ہوں۔ بعد میں وہ سب ٹھیک کر دے گا۔

اپنا لہجہ دھیما رکھو
میں بھی شور مچا سکتا ہوں (ندیم قیس)

ندیم قیس کے ساتھ انتہائی سنجیدہ بلکہ رنجیدہ طبیعت کا اختر رضا اب تک ہونے والی سازشوں میں برابر کا شریک رہا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اختر رضا اچھا شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھا انسان بھی ہے۔ یہ میرے لئے ایک حیران کن بات ہے

ذرا سا آتشِ دل سے گزار دے مجھ کو
مرا وجود مرے کوزہ گر ادھورا ہے (اختر رضا)

مجھے نہیں معلوم کہ محترم وسیم ساغر کو میں اپنا دوست کہوں، بڑا بھائی کہوں، اپنا بزرگ کہوں یا کچھ نہ کہہ کر سب کچھ کہہ دوں۔ کہ وہ حسبِ ضرورت دوست، بھائی، بزرگ حتیٰ کہ میرے تایا جان بھی بنے۔

ابھی تو جاگ رہی ہیں حیات کی آنکھیں
تھکاوٹوں کو بدن کی میں سو کے سوچوں گا (وسیم ساغر)

ان تین کے علاوہ ایک آواز جو ہمیشہ میرے ساتھ رہی اور ہر قدم پر میری رہنمائی کرتی رہی کمال فیصل تھی۔ مجھے اس آواز کے بارے میں اتنا کہنا ہے کہ اگر اس کا ساتھ نہ ہوتا تو میرا راستہ شاید کوئی اور ہو

میں اس زمین پہ سب سے پرانا آدمی ہوں
سو اس لحاظ سے تو میں سیانا آدمی ہوں (کمال فیصل)

کبھی نہ تھکنے والا عباس ممتاز میرے پہلے پہلے دوستوں میں سے ہے۔ جو تقریباً میرا بھائی ہی ہے میں نے آج تک کسی کو اس سے ناراض دیکھا نہ اس کو کسی سے ناراض پایا۔

پل پل رنگ بدلنے والی دنیا میں
ایک ہی چہرہ رکھنے کا نقصان بھی ہے (عباس ممتاز)

سلمان ثروت کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا اور اس کی وجہ ناراضی ہے۔ وہ ہر بار آنے کا وعدہ کرتا ہے اور آتا نہیں۔ لہٰذہ میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی کتاب میں سلمان ثروت کا ذکر کروں گا (اور کروں گا نہیں۔

ریحان بشیر مخلص دوست ہے۔ جس کے مجھ پر ان گنت احسان ہیں۔ میں جب جب اس سے ملتا ہوں مجھے اپنا آپ اور بھی اچھا لگنے لگتا ہے۔ اس سے بہتر دوستی اور کیا ہوگی۔
ایسا ہی میرا ایک دوست حیدر اقبال ہے۔ جس نے پچھلے کئی سالوں میں میرے اشعار اور میرے کہی ہوئی ہر بات کو اس طرح سنبھال کر رکھا ہے جیسے لڑکیاں اپنی پسندیدہ شخصیات کے آٹوگراف سنبھال کر رکھتی ہیں۔

اصولاً یوں مونا اختر کا ذکر کرنا تو نہیں چاہئے مگر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ایک دوست ہونے کی حیثیت سے اس نے کئی بار میرے ان زخموں پر بھی مرہم رکھا جن کا مجھے خود بھی ادراک نہیں تھا۔ اور میں یہ تا حال طے نہیں کر پایا کہ اس عمل سے مجھے تسکین ملی یا تکلیف ہوئی۔

ایک اور واجب الذکر دوست عقیل ملک ہے۔ جس کے شہر سے چلے جانے کے بعد میں نے خود کو بہت تنہا محسوس کیا۔ اور اب تک کر رہا ہوں عقیل میرے چند قریبی دوستوں میں سے ہے (یعنی ابتک تو ہے)

تتلیو اب تو یہاں آؤ کہ اس شہر کے لوگ
کب تلک رنگ وہی سوچ ہوئے لکھتے رہیں (عقیل)

مدثر عباس سے میری پہلی ملاقات کہاں ہوئی تھی مجھے یاد نہیں۔ لیکن اس میں میری یادداشت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے پہلے ملاقات میں کوئی یاد رکھنے والی بات کی ہی نہیں تھی۔ مگر اس کے بعد مدثر کے ساتھ گزارا ہوا وقت بہت یادگار ہے۔

گر آپ کائینات کو پھر سے بنائیں تو
تھوڑا سا آسمان کو نیچے بنائیے (مدثر عباس)

میر احمد نوید کے ساتھ جتنا وقت گزارا اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔ انہیں سے میں نے سیکھا کہ عاجزی خود کو چھوٹا کہنا نہیں بلکہ بڑے کو بڑا تسلیم کرنا ہے۔ میں پہلے بھی ان سے بہت ڈرتا تھا۔ اور اب بھی اتنا ہی ڈرتا ہوں۔ ان کی ہزار ہا محبت اور شفقت کے باوجود ان کے شعر کی ہیبت مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی کہنے سے روک لیتی ہے۔

اس قدر مئے اس کے پیمانے میں آتی جائے گی
جس قدر بھی جس پہ تہہ داریء پیمانہ کھلے (میر احمد نوید)

میر احمد نوید سے میری پہلی ملاقات جس شخص کے توسط سے ہوئی تھی، وہ بلاشبہ عظیم ہے۔ یہاں بھی ہ
لاکھ لاپرواہیوں کے باوجود عظیم راہی نے ان مقامات پر بھی میرا ساتھ دیا جہاں مجھے سب نے اکیلا
دیا تھا۔اور سب سے مراد سب ہی ہیں

کوئی مری زمین پر مرے مخالفوں کے ساتھ
بن کر مرا حمائتی اپنی لڑائی لڑ گیا (عظیم راہی)

اُستادِ محترم نعیم گیلانی کا شکریہ نہیں ادا کیا جا سکتا۔ میرے کسی بھی لفظ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ میرے
دل میں موجود نعیم گیلانی صاحب کی محبت اور عزت کو ان تک پہنچا سکے۔

نشیبِ عمر میں ممکن ہے کام آجائے
وہ ایک زخم جسے رائیگاں لئے پھرا میں (نعیم گیلانی)

بات مزے کی یہ ہے کہ اسی نام کے دو سازشی اور ہیں جن میں سے ایک کنچی آنکھوں والا نعیم سمیر ہے۔
سمیر سے میں علی الاعلان جلتا ہوں۔ کیوں کہ مجھے لگتا ہے کہ وہ دیکھنے میں مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے

پہن کے یہ پازیب ذرا آہستہ چل
رستہ بھول نہ جاؤں میں اس چھن چھن میں (نعیم سمیر)

نعیم بھٹی کا ذکر میں آخر میں ایک وجہ سے کر رہا ہوں۔ نعیم رضا بھٹی میرا ویسا ہی دوست ہے جیسا ہونا
چاہئے۔ خاموش رہتا ہے اور ہر قدم پر دوستی کا حق اپنے حق سے زیادہ ادا کرتا ہے میں اکثر سوچتا رہتا
ہوں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے

تجھ سے مرا وجود سنبھالا نہ جا سکا
میں نے ترا غبار بھی رکھا سمیٹ کر (نعیم رضا بھٹی)

اور اب تک میں اس دوستی میں واقعی غبار ہی رہا۔

مجھ سے بہت قریب میری ایک بہن ہے۔ جس کے بارے میں بس اتنا کہوں گا کہ وہ میرا آئینہ ہے۔ میں اس کو دیکھ کر اپنا آپ سنوارتا بگاڑتا ہوں

اب کوئی مجھے بتائے کہ میں اس کرن کا ذکر کیسے کروں۔ جس کی روشنی میں میں دیکھتا ہوں اور دیکھا جاتا ہوں۔ جو مجھے جانتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اور کوئی یوں نہیں رکھ سکتا جیسا عائشہ کرن نے رکھا۔ اور میرا وجود عائشہ کرن سے ہی ہے اور رہے گا۔ مجھے یہ کہنے میں قطعی طور پر کوئی عار نہیں کہ میں نے خود سے زیادہ خوش قسمت انسان اور کوئی نہیں دیکھا۔ جو ایک ملکہ کے گھر میں پیدا ہوا۔ اور ایک شہزادی سے اس کی شادی ہوئی۔

آخر میں سب سے اہم ذکر ان کا جن کی شفقت ہمیشہ میری کوتاہیوں سے زیادہ رہی۔ یہ شفیق ہستیاں میری والدہ اور میرے والد ہیں۔ اب تک میں نے جن موتیوں کا ذکر کیا ان میں سے ایک بھی میرے ہاتھ نہ لگا ہوتا اگر ان دو ہستیوں کا سایہ میرے سر پر نہ ہوتا۔

اب اس سے آگے مجھے اور کچھ نہیں کہنا..........

عمّار اقبال

دل تھا جہاں وہیں مرے سینے میں درد ہے
اب اور کچھ نہیں مرے سینے میں درد ہے

دَم گھُٹ نہ جائے آج تو دیوار و در کے بیچ
لے چل مجھے کہیں مرے سینے میں درد ہے

حمد

اس میں کیسی شدّ ومد ، لَم یَلِد وَ لَم یُولد
ابتدا نہ کوئی حد ، لَم یَلِد وَ لَم یُولد

کیا کہوں کہاں تک ہے ، تو نہیں سے ہاں تک ہے
کیا قبول ہو کیا رَد ، لَم یَلِد وَ لَم یُولد

وقت سے پرانا تُو ، پھر بھی فی زمانہ تُو
لا مکاں کی ہے مَد ، لَم یَلِد وَ لَم یُولد

آئینے کی حیرت ہے ، حیرتی کی ہیبت ہے
پھر کہاں کے خال و خد ، لَم یَلِد وَ لَم یُولد

تُو اَحد ہے تو واحد ، تیری حمد تو حامد
تو مجید تو امجد ، لَم یَلِد وَ لَم یُولد

پہلے ہماری آنکھ میں بینائی آئی تھی
پھر اس کے بعد قوتِ گویائی آئی تھی

میں اپنی خستگی سے ہوا اور پائیدار
میری تھکن سے مجھ میں توانائی آئی تھی

وہ کس کی نغمگی تھی جو ساتوں سُروں میں تھی
رنگوں میں کس کے رنگ سے رعنائی آئی تھی

پھر یوں ہوا کہ اس کو تمنائی کر لیا
میری طرف جو چشمِ تماشائی آئی تھی

میں آج شام سے ہی اسے ڈھونڈنے لگا
کل جس کے بعد کمرے میں تنہائی آئی تھی

میرے ہر وصل کے دوران مجھے گھورتا ہے
اِک نئے ہجر کا امکان مجھے گھورتا ہے

میرے ہاتھوں سے ہیں وابستہ امیدیں اس کی
پھول گرتے ہیں تو گلدان مجھے گھورتا ہے

آئینے میں تو کوئی اور تماشہ ہی نہیں
میرے جیسا کوئی انسان مجھے گھورتا ہے

اب تو یوں ہے کہ گھٹن بھی نہیں ہوتی مجھ کو
اب تو وحشت میں گریبان مجھے گھورتا ہے

یوں تو ساحل سے بہت دور کھڑا ہوں عمّار
پھر بھی لگتا ہے کہ طوفان مجھے گھورتا ہے

عکس کتنے اُتر گئے مجھ میں
پھر نجانے کدھر گئے مجھ میں

میں نے چاہا تھا زخم بھر جائیں
زخم ہی زخم بھر گئے مجھے میں

میں وہ پل تھا جو کھا گیا صدیاں
سب زمانے گزر گئے مجھ میں

یہ جو میں ہوں ذرا سا باقی ہوں
وہ جو تم تھے وہ مر گئے مجھ میں

میرے اندر تھی ایسی تاریکی
آ کے آسیب ڈر گئے مجھ میں

پہلے اُترا میں دل کے دریا میں
پھر سمندر اتر گئے مجھ میں

کبھی زمین کبھی آسماں نگلتا ہے
مرا یقین تمہارے گماں نگلتا ہے

ابھی خدا بھی اُسے التوا میں رکھے گا
وہ ایک پل جو زمان و مکاں نگلتا ہے

ہمارے نقش میں شامل ہے رنگ تیرا بھی
ہمارے ساتھ تو اپنے نشاں نگلتا ہے

ذرا سی دیر میں وہ روشنی بھی اُگلے گا
وہ آفتاب جو پرچھائیاں نگلتا ہے

وہ حیرتی بھی اُسی آئینے میں ہے عمّار
جو خدّ و خال کی رعنائیاں نگلتا ہے

جو بچی ہے گزار دُوں ؟ اچھا !
زندگی تجھ پہ وار دُوں ؟ اچھا !

اور تو کچھ نہیں ہے میرے پاس
خواب ہیں ، مستعار دُوں ؟ اچھا!

آزما لُوں تجھے وفا پیکر
تجھ کو راہِ فرار دُوں ؟ اچھا !

صبر کو تقویت ملے گی کیا ؟
جبر کو اختیار دُوں ؟ اچھا !

تم سنو اور اَن سُنی کر دو
میں صدا بار بار دُوں ؟ اچھا !

تیرگی طاق میں جڑی ہوئی ہے
دھوپ دہلیز پر پڑی ہوئی ہے

دل پہ ناکامیوں کے ہیں پیوند
آس کی سُوئی بھی گڑی ہوئی ہے

میرے جیسی ہے میری پرچھائی
دھوپ میں پل کے یہ بڑی ہوئی ہے

گھیر رکھا ہے نارسائی نے
اور خواہش وہیں کھڑی ہوئی ہے

میں نے تصویر پھینک دی ہے مگر
کیل دیوار میں گڑی ہوئی ہے

ہارتا بھی نہیں غمِ دوراں
ضِد پہ اُمّید بھی اڑی ہوئی ہے

دن کِسی کے خیال میں ہے گُم
رات کو خواب کی پڑی ہوئی ہے

کسی کا چہرہ ، کسی کے نقاب جھیلتا ہوں
میں ایک آئینہ کتنے عذاب جھیلتا ہوں

فریب کھاتا ہوں میں ایک عشق میں کتنے
میں ایک دشت میں کتنے سراب جھیلتا ہوں

کتابِ عُمر کے صفحے اُلٹ نہیں پاتا
سو ، ایک عُمر سے بس انتساب جھیلتا ہوں

تمام دِن بھری آنکھیں سلگتی رہتی ہیں
تمام رات میں اوروں کے خواب جھیلتا ہوں

کبھی تو لوح و قلم سے ترے یہ پوچھنا ہے
میں کِس حساب میں اتنے حساب جھیلتا ہوں

صدائے گریہ سے بھی تہی تھے
ہم اپنے اندر کی خامشی تھے

متاعِ ہستی ! یہ اب کھلا ہے
یہ اب کھلا ہے ہم اجنبی تھے

ابھی جو آنسو تمہیں دِیئے ہیں
یقین جانو وہ آخری تھے

بلا کے تہمت تراش تھے ہم
اور اپنے الزام سے بری تھے

جو کاغذی تھے وہ جل گئے ہیں
ہمارے سب لفظ آتشی تھے

بہت مُفصّل تھے آپ صاحب
ہم استعارہ تھے ، سرسری تھے

یونہی بے بال و پر کھڑے ہوئے ہیں
ہم قفس توڑ کر کھڑے ہوئے ہیں

دشت گزرا ہے میرے کمرے سے
اور دیوار و دَر کھڑے ہوئے ہیں

خود ہی جانے لگے تھے اور خود ہی
راستہ روک کر کھڑے ہوئے ہیں

اور کتنی گھماؤ گے دنیا
ہم تو سر تھام کر کھڑے ہوئے ہیں

برگزیدہ بزرگ نیم کے پیڑ
تھک گئے ہیں مگر کھڑے ہوئے ہیں

مدتوں سے ہزار ہا عالم
ایک امید پر کھڑے ہوئے ہیں

رنگ و رَس کی ہوَس اور بَس!
مسئلہ دسترَس اور بس

سَب تماشائے کُن ختم شُد
کہہ دِیا اُس نے بَس اور بَس

اُس مُصوّر کا ہر شاہکار
ساٹھ پینسٹھ برَس اور بَس

یوں بُنی ہیں رَگیں جِسم کی
ایک نَس ٹَس سے مَس اور بَس

کیا ہے مابینِ صیّاد و صَید
ایک چاکِ قفَس اور بَس

چراغِ فِکر تجھے بھی بُجھانے والا ہوں
مَیں ایک وہم پَر ایمان لانے والا ہوں

مَیں آنے والا ہوں سَاحل سے دیکھنے والو
اور اپنے ساتھ میں طُوفان لانے والا ہوں

اکیلا بیٹھ گیا کُرسیاں سَجا کر مَیں
اَب اِن کو ایک کہانی سُنانے والا ہوں

مَیں اِس جہاں میں بہت جلد آگیا شاید
سو اَب یہاں سے بہت جلد جانے والا ہوں

مَیں سوچتا ہوں جَلا دُوں تمہاری دنیا کو
مگر ابھی تو مَیں سیگریٹ جَلانے والا ہوں

بہت عجیب سا کردار بن کے اُبھرا ہوں
حقیقتوں کو فسانہ بنانے والا ہوں

خود اپنی راہ میں کانٹے بچھائے تھے عمّار
اَب اپنی راہ میں پلکیں بچھانے والا ہوں

گنتی سے اور شمار سے آگے کی بات ہوں
میں تیرے اختیار سے آگے کی بات ہوں

اے وصل تیرے بعد کا قصہ ہوں کیا کہوں
اے ہجر انتظار سے آگے کی بات ہوں

خوش ہوں غبارِ منزلِ مقصود دیکھ کر
لیکن میں اِس غبار سے آگے کی بات ہوں

بے نام کیفیات کا مارا ہوا ہوں میں
وحشت سے اور قرار سے آگے کی بات ہوں

محصور کر چکا ہوں زمین و زماں کو میں
عمّار اب حصار سے آگے کی بات ہوں

سخن آراء تمہیں معلوم ہے کیا ؟
تمہارا کچھ نہ کہنا شاعری ہے

کیا عجب ہے یہ خود سَری میری
میرے آگے نہ چل سکی میری

اُس نے توہین بھی نہ کی اَب کے
یار ! توہین ہوگئی میری

ذہن و دِل میں فساد کروایا
ہائے یہ فتنہ پروری میری

بد دُعا میں اثر بلا کا تھا
یعنی مجھ کو ہی لگ گئی میری

طے ہوا تھا کہ رَت جگا ہوگا
اور پھر آنکھ لگ گئی میری

لو مَیں دنیا کے چاک سے اُترا
آج تکمیل ہوگئی میری

آج پھر زِندگی کو چاہا تھا
آج پھر موت ہوگئی میری

طاق پر بے نشاں چراغوں کو
کھا رہا ہے دُھواں چراغوں کو

ایک سُورج نے خودکشی کر کے
کر دیا جاوداں چراغوں کو

ان ہواؤں کا لمس ہے کیسا
کر گئی ہیں جواں چراغوں کو

کر نہ پائے گی تیرگی خاموش
چاند کے ہم زباں چراغوں کو

آ گئے ہیں وہ بزم میں عمار
پیش ہے امتحاں چراغوں کو

تُو مل گیا تو تیری تمنّا تمام شُد
القصّہ مختصر کہ یہ قِصّہ تمام شُد

اِس تنگ دامنی میں یہ داماں دریدگی
وحشت کی ابتدا میں ہی صحرا تمام شُد

میری بھی آسماں میں کوئی سن نہیں رہا
تیرا بھی اِس زمیں پہ اجارہ تمام شُد

آوارگی کے شوق ! بتا اب میں کیا کروں
منزل پہ آکے ہوگیا رستہ تمام شُد

پردے کے ساتھ ساتھ ہوئیں حیرتیں تمام
پردہ اُٹھا تو سارا تماشہ تمام شُد

عمّار جستجو کا فسانہ عجیب ہے
اِک بار ختم ہو کے دوبارہ تمام شُد

دِل سے اُترے تو شان سے اُترے
جیسے ہم آسمان سے اُترے

گھات مَیں بھی لگائے بیٹھا ہوں
کب شکاری مچان سے اُترے

باتوں باتوں میں رات کٹ جائے
ایک بالی نہ کان سے اُترے

مرتبہ تھا مقام تھا میرا
پانیوں پر قیام تھا میرا

میں ہی بھیجا گیا تھا پہلے بھی
پہلے کچھ اور نام تھا میرا

میں نے سب کو معاف کر دیا تھا
اور یہ انتقام تھا میرا

آخری وقت آنکھ کھُل گئی تھی
ورنہ قصّہ تمام تھا میرا

سچ بتاؤں تو اِن ہواؤں میں
سانس لینا حرام تھا میرا

وہ ملاقات اُن سے آخری تھی
اور پہلا سلام تھا میرا

اب ہے ناسُور میرے سینے کا
ایک نالہ جو خام تھا میرا

اُسے بہلا کے واپس آ گیا ہوں
میں پھر گھر جا کے واپس آ گیا ہوں

میں شیشے میں اُتارا جا رہا تھا
مگر ٹکرا کے واپس آ گیا ہوں

جو میری اُلجھنیں سُلجھا رہے تھے
اُنہیں اُلجھا کے واپس آ گیا ہوں

نکل آیا تھا گھر سے تنگ آکر
اور اب اُکتا کے واپس آگیا ہوں

جہاں کشکول دِل کا بھر گیا تھا
وہیں اُلٹا کے واپس آگیا ہوں

مجھے خود بھی سمجھ آتا نہیں ہے
میں کیا سمجھا کے واپس آگیا ہوں

کس نے دِیے کی ذات پہ احسان کر دیا
روشن ہوا تو رات کی پہچان کر دیا

سُورج نے کیا مذاق کیا روشنی کے ساتھ
جلتے ہوئے چراغ کو بے جان کر دیا

کیا کیا نہ مجھ کو کر گئی تیری سپُردگی
قطرے سے مَوج ، مَوج سے طوفان کر دیا

میں کیفیاتِ درد کو لکھتا چلا گیا
اتنا لکھا کہ درد کا دیوان کر دیا

پہلے ہی مضطرب تھا میں اِس زخم کے طفیل
چارہ گروں نے اور پریشان کر دیا

تخیل کو بری کرنے لگا ہوں
میں ذہنی خودکشی کرنے لگا ہوں

مجھے زندہ جلایا جا رہا ہے
تو کیا میں روشنی کرنے لگا ہوں

میں آئینوں کو دیکھے جا رہا تھا
اب اِن سے بات بھی کرنے لگا ہوں

تمہاری ! بس تمہاری دُشمنی میں
میں سب سے دوستی کرنے لگا ہوں

مجھے گمراہ کرنا غیر ممکن !
میں اپنی پیروی کرنے لگا ہوں

کبھی یقین ، کبھی واہمے میں اچھا ہوں
میں ہاں ، نہیں ، کے اِسی دائرے میں اچھا ہوں

بہت عجیب سا کردار ہوں کہانی میں
کہیں بُرا ہوں کسی مرحلے میں اچھا ہوں

مجھے لباس نہیں آئینہ بدلنا ہے !
کوئی بتائے میں کس آئینے میں اچھا ہوں

تمہارے نام کا بھی اِک خیال آیا ہے
جو پوچھتا ہے میں کس قافیے میں اچھا ہوں

نہیں میں کوئی مسیحائی کر نہیں سکتا
مگر میں درد کو پہچاننے میں اچھا ہوں

بلا سبب مری تعریف گر نہیں عمّار
تو پھر بتاؤ میں کس سلسلے میں اچھا ہوں

محفلیں ، لوگ ، تخلیہ سب تھا
اب تلک آپ کے سوا سب تھا

ایک ڈوبے ہوئے سفینے میں
بادباں ، وقت ، ناخدا سب تھا

چار درویش تھے کہانی میں
پانچواں میں ، جو جانتا سب تھا

نرم لہجہ ، شکایتیں ، احساس
جب تلک فاصلہ رہا ، سب تھا

ہو گیا تھا وہ آئینہ خاموش
پر وہ خاموش دیکھتا سب تھا

ایک ہی شخص تھا مری دنیا
اجنبی ، غیر ، آشنا ، سب تھا

بولتا کچھ نہیں تھا میں لیکن
یاد مجھ کو کہا سنا سب تھا

وہ نیلی جَل پری نغمہ سَرا تھی
اُسے سن کر سمندر سوگیا تھا

وہ کل کرسی سے باتیں کر رہی تھی
ہمارے ساتھ بستر سو گیا تھا

جلا کے برف میں آتش کدوں کو
مصوّر کینوس پر سو گیا تھا

وہ کل تنہائیوں سے تنگ آکر
مِرے کپڑے پہن کر سو گیا تھا

وہ جھوٹی نیند سے تب جاگ اُٹھی
میں جب کروٹ بدل کر سو گیا تھا

جگر کے خون کو رنگِ حنا کیا ہوا ہے
یہ کیسے زخم کو میں نے ہرا کیا ہوا ہے

بہت سے دیو مرے اِرد گِرد پھرتے ہیں
سو کھینچ تان کے خود کو بڑا کیا ہوا ہے

مرا یقین مجھے ڈھونڈنے چلا گیا ہے
کِسی کے وہم کو میں نے خدا کیا ہوا ہے

میں چاہتا ہوں کہ اب تیری دسترس میں رہوں
سو اپنے آپ کو خود سے جُدا کیا ہوا ہے

کیا کہوں کیا کیا چُرا کر لے گئے
جسم سے سایہ چُرا کر لے گئے

اَب مجھے بے چہرگی دَرپیش ہے
تم مرا چہرہ چُرا کر لے گئے

منزلیں تکتی رہیں اپنی جگہ
رہنما رَستہ چُرا کر لے گئے

میں اُنہیں بھی اب بُرا لگنے لگا
جو مرا اَچھا چُرا کر لے گئے

عُمر بھر عمّار کھُلنے کا نہیں
آپ جو عقدہ چُرا کر لے گئے

جو مری ذات کے منافی ہیں
میری تصدیق کو وہ کافی ہیں

کام شاید تمہارے آجائیں !
ہم جو اپنے لئے اِضافی ہیں

بس وہ آنکھیں جو پھیر لیں تو نے
تیرے ہر جرم کی تلافی ہیں

ہو رہی ہے غزل مراسم کی
پے بہ پے نت نئے قوافی ہیں

درد کو زخم سے کھرچتے ہیں
میرے ناخن بھی کتنے شافی ہیں

جہل کو آگہی بناتے ہوئے
جل گیا روشنی بناتے ہوئے

کیا قیامت کسی پہ گزرے گی
آخری آدمی بناتے ہوئے

کیا ہوا تھا ذرا پتہ تو چلے
وقت کیا تھا گھڑی بناتے ہوئے

کیسے کیسے بنا دِیئے چہرے
اپنی بے چہرگی بناتے ہوئے

دشت کی وُسعتیں بڑھانی تھیں
میری آوارگی بناتے ہوئے

اس نے ناسور کر لیا ہو گا
زخم کو شاعری بناتے ہوئے

ذرا سی دیر جلے ، جل کے راکھ ہو جائے
وہ روشنی دے ، بھلے جل کے راکھ ہو جائے

وہ آفتاب جسے سب سلام کرتے ہیں
جو وقت پر نہ ڈھلے ، جل کے راکھ ہو جائے

میں دُور جا کے کہیں بانسری بجاؤں گا
بلا سے رُوم جلے جل کے راکھ ہو جائے

وہ ایک لمسِ گریزاں ہے آتشِ بے سوز
مجھے لگائے گلے ، جل کے راکھ ہو جائے

کوئی چراغ بچے صبح تک تو تاریکی
اسی چراغ تلے جل کے راکھ ہو جائے

ہزاروں سال پہلے بھی یہاں پر
یہی میں تھا یہی جلتا دیا تھا

کبھی کوئی مِلا مجھے کبھی نہیں
ہمیشگی مِرا مزاج بھی نہیں

میں ساحلوں پہ اِک صدی کھڑا رہا
پھِر ایک جَل پری مِلی ، جو تھی نہیں

ہماری زندگی کوئی گزار دے
ہمارے بس کی بات اب رہی نہیں

قرارِ جاں ، وفورِ غم ، سکونِ دِل
مگر ترا بدل یہ شاعری نہیں

پھر عاجزی کا ڈھونگ رچانا پڑا مجھے
ذرّوں کو آفتاب بتانا پڑا مجھے

مفلوج ہوگئی ہے محبت مِری نہیں
کل پھر اُسے یقین دِلانا پڑا مجھے

پہلے تو میں نے سب سے محبت سے بات کی
آخر کو اپنے آپ میں آنا پڑا مجھے

کل آئینوں کے شہر میں گُم ہو گیا تھا میں
چہرے کو اپنے ڈُھونڈ کے لانا پڑا مجھ

اَب جا کے دوستوں کو دوبارہ مناؤں گا
پہلے تو اپنا آپ منانا پڑا مجھے

دِل تھا جہاں وہیں مرے سینے میں درد ہے
اب اور کچھ نہیں مرے سینے میں درد ہے

جو آگ سی لگی تھی وہ ٹھنڈی تو ہو گئی
پھر بھی کہیں کہیں مرے سینے میں درد ہے

گر جائے آسمان ! مرا دل ہے سوگوار
پھٹ جائے یہ زمیں ! مرے سینے میں درد ہے

یوں اجنبی نہ بن ! مرے سینے پہ ہاتھ رکھ
کر لے مرا یقیں مرے سینے میں درد ہے

سینے میں درد ہے مرے کچھ دیر رُک یہیں
کچھ دیر رک یہیں مرے سینے میں درد ہے

دَم گھُٹ نہ جائے آج تو دیوار و در کے بیچ
لے چل مجھے کہیں مرے سینے میں درد ہے

بنا ہوا ہے لکیروں کا جال ہاتھوں میں
نصیب ڈال رہا ہے دھمال ہاتھوں میں

سوال روند رہے ہیں مرے جوابوں کو
جواب لے کے کھڑے ہیں سوال ہاتھوں میں

پھر اِس کے بعد میں ہاتھوں کو اپنے چوموں گا
بَسا رہا ہوں ترے خدو خال ہاتھوں میں

سجا لیا ہے تمہارا عذاب ماتھے پر
چُھپا لئے ہیں تمہارے وبال ہاتھوں میں

وہ ایک لمسِ گریزاں فریب تھا عمار
کِیا ہے جس نے ابھی انتقال ہاتھوں میں

کیا کہوں تم سے کہ کیا ہے لذّتِ آزارِ دل
چیرنے لگتی ہے سینہ حسرتِ دیدارِ دل

غم قصیدے پڑھ رہے ہیں میرے دل کی شان میں
اور بڑھتی جارہی ہے وسعتِ دربارِ دل

میں تو سمجھا میرے سینے میں قیامت آگئی
دم بہ دم بڑھنے لگی ہے شدتِ رفتارِ دل

درمیانِ جسم و جاں اُٹھتی ہوئی دیوار ہے
عقل حیرانی سے دیکھے قامتِ دیوارِ دل

رونقِ بازار تنہائی میں دیکھا چاہیے
شامِ فرقت بن گئی ہے زینتِ بازارِ دل

طاق سے گرا ہوا
دیپ ہوں بُجھا ہوا

داستان ختم شُد
اُس کے بعد کیا ہوا

تُو بھی مجھ کو بھا گیا
یہ بہت بُرا ہوا

عشق ایک بار کا
مجھ کو بارہا ہوا

تُو بھی گیت ہے کوئی
بارہا سُنا ہوا

تخیل ہے ، خدا ہے ، کیا بلا ہے
نہیں کچھ بھی نہیں ہے آئینہ ہے

تمہیں پہلے بتانا چاہیئے تھا
ہمارا وقت پُورا ہو چکا ہے

نہ اب وہ عشق باقی ہے نہ وحشت
نجانے کون کس کو کھا گیا ہے

بجز اس کے نہیں کچھ آئینے میں
مرا چہرہ ہے جو اُترا ہوا ہے

یہ تم مجھ کو جو اچھے لگ رہے ہو!
تمہارا وقت اچھا چل رہا ہے

ابھی بکھرا نہیں ہے خواب تیرا
مری آنکھوں میں لیکن چبھ رہا ہے

محبت اِس نہج تک آگئی ہے
ترا چُپ رہنا اچھا لگ رہا ہے

ہنس رہے ہیں تمہارے خواب و خیال!
اُلٹا سگریٹ جلا لیا میں نے

نہیں بدلا نہیں اب تک وہی ہے
جو پہلے اجنبی تھا ، اجنبی ہے

مری وہ حِس کوئی معدوم کر دے
کہ جس میں تیری خوشبو بس گئی ہے

سخن آراء تمہیں معلوم ہے کیا ؟
تمہارا کچھ نہ کہنا شاعری ہے

کوئی رِشتہ نہیں ہے اَب خوشی سے
مجھے اِس بات کی بے حَد خوشی ہے

تمہاری یاد کا بوسہ لیا تو
تمہاری یاد بھی شرما گئی ہے

جو ساری زندگی میں نے نہیں کی
مجھے اُس بات کی شرمندگی ہے

مری دُشواریوں پر ہنسنے والے
مجھے تیری سہولت کھا رہی ہے

کوئی اپنا نہ ہم کسی کے ہیں
جی ہمارا، ہم اپنے جی کے ہیں

تم کو میرے ملال سے جو ملی
کیا یہ آنسو اُسی خوشی کے ہیں

عاشقو! تم سے اک بات کہوں
سارے رشتے سپردگی کے ہیں

ہم کسی کے جو ہو نہیں پاتے
بات یہ ہے کہ ہر کسی کے ہیں

نام لیتے کسی کا ہیں عمّار
منتظر اَور ہم کسی کے ہیں

یہ طے کیا ہے کہ اِس بار فیصلہ ہوگا
جو پہلے بول پڑے گا وہ آئینہ ہوگا

اِسی لئے تو میں لوگوں سے کم ہی ملتا ہوں
نجانے اگلے ہی لمحے میں کون کیا ہوگا

کسی یقین پر ایمان لانے والا نہیں
کہ اِس حصار سے باہر کہیں خدا ہوگا

جسے پکارتا رہتا ہوں اپنی خلوت میں
وہ مجھ میں بول پڑا تو بہت بُرا ہوگا

یہیں کہیں پہ تو بچھڑا تھا مجھ سے میرا دوست
یہیں کہیں پہ کوئی اور راستہ ہو گا

ٹوٹی پھوٹی کمان رکھتا ہوں
پھر بھی سینے کو تان رکھتا ہوں

ایک بستر کے بس کی بات نہیں
مدّتوں کی تھکان رکھتا ہوں

تاکہ مجھ کو وہ سوچتی ہی رہے
میں اُسے بدگمان رکھتا ہوں

تُو گریبان دیکھتا ہے ، میں
جیب میں آسمان رکھتا ہوں

مجھ کو عمّار اَب زباں دی جائے
آنکھ رکھتا ہوں ، کان رکھتا ہوں

آپ اپنی دلیل ہیں کہ نہیں
اشک غم کے وکیل ہیں کہ نہیں

'ہاں' 'نہیں' میں جواب چاہتا ہوں
آپ میری سبیل ہیں کہ نہیں

آج تک جو تھے منزلِ مقصود
آج وہ سنگِ میل ہیں کہ نہیں

میں نے جتنا تمہیں بتایا تھا
لوگ اتنے ذلیل ہیں کہ نہیں

پہلے ڈوبیں گے پھر بتائیں گے
یہ جو آنکھیں ہیں جھیل ہیں کہ نہیں

بات میں سَرسری نہیں کرتا
اور وضاحت کبھی نہیں کرتا

مجھ کو کیسے مِلے بھلا فرصت
میں کوئی کام ہی نہیں کرتا

آپ ہی لوگ مار دیتے ہیں
کوئی بھی خودکشی نہیں کرتا

ایک ہی بات مجھ میں اچھی ہے
اور میں بَس وُہی نہیں کرتا

سفر طویل کروں گا ، تھکن سمیٹوں گا
میں کس ہوا میں ہوں ؟ کتنی گھٹن سمیٹوں گا

کبھی میں اپنا گریبان چاک کر لوں گا
کبھی زمین پہ بکھرے بٹن سمیٹوں گا

بہت عجیب تعلق ہے اس کا میرے ساتھ
میں اپنی چال میں اس کا چلن سمیٹوں گا

تُو کس کے پاس سے اتنا بکھر کے آیا ہے
میں کس کے پاس ہوں؟ کس کا بدن سمیٹوں گا

میں وحشتوں سے سہولت کشید کرتے ہوئے
بکھرتا جاؤں گا ، سارے سخن سمیٹوں گا

جسم سے رُوح کی مانند جُدا ہوتا ہے
کِس مُشقت سے ترا اِسم ادا ہوتا ہے

جُز خدا واقفِ غم کوئی نہیں ہے میرا
اُس کو معلوم ہے تنہائی میں کیا ہوتا ہے

پہلے بینائی سے کھو جاتی ہے جہتوں کی تمیز
اور پھر جو بھی نظر آئے خدا ہوتا ہے

کیسے ہر بار مجھے درد نئے ملتے ہیں
کیسے ہر بار مرا شعر نیا ہوتا ہے

شور زنجیر کا بڑھتا ہے جو عمار اقبال
کوئی وحشی مرے پہلو سے لگا ہوتا ہے

منفرد یوں نہیں کسی کا رنگ
سارے رنگوں میں ہے اُسی کا رنگ

آئینے ! آئینے ! بتا مجھ کو
کیسا ہوتا ہے آدمی کا رنگ

تم نے پانی کا رنگ دیکھا ہے
ایسا ہوتا ہے آدمی کا رنگ

اپنے رنگوں کو لے کے اُترا ہوں
مجھ پہ چڑھتا نہیں کسی کا رنگ

سُرمئی شام جس پہ اُتری ہے
اُس نے دیکھا ہے شاعری کا رنگ

کور چشمی ہے آپ کی عمّار
ورنہ پھیکا ہے زندگی ہے رنگ

اِس میں پہلی سی تاب و تَب نہیں ہے
اَب یہ سُورج ہمارا رَب نہیں ہے

وہ سڑک پار نِیلا دروازہ
میرے گھر کا تھا اور اَب نہیں ہے

جو تجھے سوچنا ہے سوچ مگر
اِس اُداسی کا وہ سبب نہیں ہے

؎ آپ کے بعد بھی مرا ہر شعر
کیا غضَب ہے اگر غضَب نہیں ہے

دُوسری بار بھی تو ہو گیا تھا
تیسرا عشق بھی عجب نہیں ہے

صفحے پہ ایک لفظ ہے ایسے پڑا ہوا
جیسے کہ ماں جنے کوئی بچہ مرا ہوا

وہ تُم ہو آئینے کے اُدھر گھورتے ہوئے
یہ میں ہوں آئینے کے اِدھر بولتا ہوا

پھر یوں ہوا کہ 'تو' کے بھی معنی بدل گئے
پھر یوں ہوا کہ 'میں' بھی کوئی دُوسرا ہوا

سینے میں ایک آس کا جلتا الاؤ ہے
آنکھوں سے بہہ رہا ہے لہُو کھولتا ہوا

ہر ایک چیز حسبِ ضرورت کشید کی
مَیں نے گزشتگاں سے بھی جِدّت کشید کی

پہلے تو مَیں نے دَشت کو وَحشی بنا دِیا
پھر اس کی وَحشتوں سے سہولت کشید کی

پتھر سے جیسے قطرہ ءِ شبنم نچوڑنا
ویسے ہی میں نے تجھ سے محبت کشید کی

نازل ہوا تمام ہی آنکھوں پہ ایک خواب
سب ہی نے اپنی اپنی بشارت کشید کی

حیرانیوں کے بیچ میں پلکیں جھپک گئیں
نظارگی سے اتنی ہی فرصت کشید کی

بے چارگی کو اپنا وطیرہ بنا لیا
بے صُورتی سے ایسی شباہت کشید کی

منزل نما پڑاؤ سے آگے نکل گیا
گُمراہ راستوں سے ہدائت کشید کی

عالَم ہے سرِ آئینہ ہُو کا مرے آگے
بے چہرہ ہوا جاتا ہے چہرہ مرے آگے

پہنائی بہت چاؤ سے پہلے وہاں زنجیر
پھر اُس نے مرے پاؤں کو چوما مرے آگے

سائے پہ مرے وجد سا طاری ہوا کل رات
ناچا مرے آگے کبھی جھوما مرے آگے

موہوم ہوئے جاتے ہیں آنکھوں کے شرارے
ہر رنگ پڑا جاتا ہے کالا مرے آگے

پھر ایک رمق آئی مرے دستِ ہنر میں
پھر چاک ذرا دیر کو گھوما مرے آگے

وہ دھوپ سے لڑتی ہے وہ کہتی ہے ہوا سے
پرچھائیں کو بھی اُس کی نہ چھونا مرے آگے

اور اِک یہ جُرم بھی میں نے کِیا تھا
تمہارے بعد بھی کچھ دِن جیا تھا

ندی کا ذائقہ یہ کہہ رہا ہے
درندے نے یہیں پانی پیا تھا

ہزاروں سال پہلے بھی یہاں پر
یہی میں تھا یہی جلتا دِیا تھا

ہماری خواہشوں کی سرحدوں پر
تمہارے خواب نے پہرا دیا تھا

جسے سن کر میں چونک اُٹھا تھا عمّار
وہ کس کا نام تھا کس نے لیا تھا

رونقیں باغ کی مہرباں مر گئیں
پھول زندہ رہے تتلیاں مر گئیں

بات ہے اور بے حد عجب بات ہے
رات 'کی پیڈ' پر انگلیاں مر گئیں

میرے خوابوں میں آسیب دَر آئے ہیں
میری پریاں نجانے کہاں مر گئیں

حسرتیں میری عمّار سب حسرتیں
کچھ یہاں مر گئیں کچھ وہاں مر گئیں

ترے خیال کو تجھ سا بنا کے جاگتا ہوں
مَیں سو بھی جاؤں تو خوابوں میں جا کے جاگتا ہوں

وہ نیند میں بھی مرا نام لیتی رہتی ہے
اُسے شبہ ہے مَیں اُس کو سُلا کے جاگتا ہوں

کبھی کبھی تو مجھے دُوریاں جگاتی ہیں
کبھی کبھی مَیں ترے پاس آ کے جاگتا ہوں

خود اپنے آپ سے جب خوف آنے لگتا ہے
مَیں اس کے بَعد تو سَب کو جگا کے جاگتا ہوں

بے صُورتی کے خواب سے فرصت نکال کر
خود سے مِلوں گا مَیں کوئی صورت نکال کر

بے حال ہو رہا تھا تمہارے فراق میں
بے کیف ہوگیا ہوں یہ حسرت نکال کر

آیا تھا کون دشت میں وحشت نکالنے
جو لے گیا ہے دشت کی وحشت نکال کر

تو آئینے سے عکس کی آنکھیں نکال دے
میں لے گیا ہوں آنکھ سے وحشت نکال کر

دَیر و حرم کے بیچ سے خَلقِ خُدا کے پاس
لے جاؤ تم بھی ایک شریعت نکال کر

اَب تم کو کیا بتائیں کہ اِس تخلیئے میں ہم
کن محفلوں سے آئے ہیں خلوت نکال کر

ہم نے حقیقتوں کے جہنم میں ڈال دی
وہم و گماں سے آپ کی جنت نکال کر

خود پرستی سے عِشق ہو گیا ہے
اپنی ہستی سے عشق ہو گیا ہے

جَب سے دیکھا ہے اُس فقیرنی کو
فاقہ مَستی سے عِشق ہو گیا ہے

ایک درویش کو تری خاطر
ساری بَستی سے عِشق ہو گیا ہے

خود تراشا ہے جب سے بُت اپنا
بُت پرستی سے عِشق ہو گیا ہے

یہ فلک زاد کی کہانی ہے
اِس کو پَستی سے عِشق ہو گیا ہے

میرا ہیجان بے بسی دیوار
ایک کے بعد دُوسری دِیوار

جب بھی سوچا کہ سائے میں بیٹھوں
میرے رُکتے ہی چل پڑی دِیوار

آئینہ پُوچھتا رہا مجھ سے
پاٹ سکتے ہو عکس کی دِیوار

کس نے دیکھی ہیں میرے کمرے کی
چُپ تصاویر ، بولتی دِیوار

آنکھ میں دھول جھونکتی تصویر
کان میں زہر گھولتی دِیوار

جو دیکھتا ہوں حقیقت سے ہَٹ کے دیکھتا ہوں
مَیں آئینے کو بھی اکثر پلَٹ کے دیکھتا ہوں

دِکھائی دیتی نہیں دیکھتی ہوئی آنکھیں
مَیں اپنے آپ میں اتنا سِمٹ کے دیکھتا ہوں

مِرے سوا بھی تو منظر میں ہوں گے نظّارے
ذرا سی دیر کو منظر سے ہٹ کے دیکھتا ہوں

نجانے کیسی اذیّت سے تم گزرتی ہو
یہ دیکھنے کو مَیں خود سے لِپٹ کے دیکھتا ہوں

کیا مہارت ہے جو ہتھیار بدل دیتا ہوں
وار کرتے ہی میں تلوار بدل دیتا ہوں

مجھ کو گرنا ہو تو قیمت کی طرح گرتا ہوں
اور بازار کا بازار بدل دیتا ہوں

میں وہ رستہ ہوں جو رہرَو کو بدل دیتا ہے
ایسا سایہ ہوں جو دیوار بدل دیتا ہے

ہیں مرے ہجر مرے وصل کے اوقات وہی
بس ذرا وقت کی رفتار بدل دیتا ہوں

اپنے اِک جھوٹ سے ہر بار وہ پھنس جاتی ہے
اپنے اِک سچ کو میں ہر بار بدل دیتا ہوں

دھڑکنوں کی صدا بلند کرو
ہر سماعت کو درد مَند کرو

ایک رتی نہیں بدَلنے کا
لاکھ تم مجھ کو ناپسند کرو

کیا تماشا لگائے بیٹھے ہو
روزنِ روز و شب کو بند کرو

نظمیں

میرے آقاؐ....قبول کرنا !

وجود میں جب سخن غبارِ عدم سے آئے
کبھی جو کوئی دہن دریدہ
سلام لے کر عجم سے آئے
تو میرے آقاؐ !
قبول کرنا
قبول کرنا کہ اس کے چہرے پہ.......
کچھ ندامت کی گرد تو ہے!
وہ زرد تو ہے
قبول کرنا!!
کہ آنکھ میں بھی کسی کنارے پہ.........
ایک اشکِ ملال تو ہے!
وہ لال تو ہے

قبول کرنا!!

کہ اس کا سینہ ...... گناہ کر کے

خود اپنے دل کو سیاہ کر کے پلید تو ہے!

مگر اسی کے سیاہ دل میں

ترے کرم کی امید تو ہے!!

یہ غیر ممکن ہے میرے آقا

کہ ہو کے مایوس کوئی تیرے کرم سے آئے

قبول کرنا!!!

غلام جب بھی سلام لے کے

عجم سے آئے........

اسقاط ! ۰

گواہ رہنا !!

مرے مسیحا گواہ رہنا مَیں پیدا ہوتے ہی مَر گیا تھا

مرے مسیحا گواہ رہنا

مَیں آگ جلنے سے تھوڑا پہلے جھلس گیا تھا

مَیں اپنے زَخموں سے رِس رہا تھا

مَیں اپنی آنکھوں سے خون بن کر ٹپک رہا تھا

میں اپنے باہر کسی مسیحا کی جستجو میں بھٹک رہا تھا

مجھے خبر تھی

مَیں جانتا تھا

مِرے مسیحا کو کوڑھ جیسا کریہہ، مہلک مرض ہوا ہے

وہ ایک بے حَد قدیم جَنگل کے اِک مُقدّس درخت سے لگ کے سو گیا

ہے

اَور اس کی کوشش ہے رات ہونے سے پہلے پہلے

وہ اپنے خوابوں میں اپنے جیسا خُدا تراشے

مسیح اِک دُوسرا تراشے

سورات ہونے سے پہلے پہلے
وہ اِس مُقدّس درَخت کی چند ٹہنیوں کو
اور اپنے ہاتھوں کی چار مخصوص، خُون آلُود انگلیوں کو
(جو جھڑ کے پتھر کی ہو گئی ہیں)
اُٹھا رہا ہے
اَور آگ اِن سے بنا رہا ہے
مِرے مسیحا گواہ رہنا
کہ اس کی وہ آگ جَل چُکی ہے
مَیں جس کے جَلنے سے تھوڑا پہلے جھُلس گیا تھا

ان سیکیورٹی

عجب سفر ہے
میں اپنی مُٹھی سے ریت بن کر پھسل رہا ہوں
وہ ریت دامَن میں بھر رہی ہے
مَیں تھوڑا مُٹھی میں رَہ گیا ہوں
میں تھوڑا دامَن میں گر گیا ہوں
مَیں باقی دونوں کے دَرمیاں ہوں

مجھے یہ ڈَر ہے
مَیں جونہی مُٹھی کو کھول دُوں گا
وہ اپنے دامَن کو جھاڑ دے گی

گاڈ سمِتھ

جا کے اَندھی پُجارن کو پیغام دے
اُس کا مَندر گیا
دیوتا مَر گیا
اُس کے مَندر میں کل شام ہوتے ہی بَد مَست پریوں کا میلا لگایا گیا
خُوب جھوما گیا
خُوب گایا گیا
دیوتا اَرغوانی شرابوں کے نشے میں دھت
ساری پَریوں کی بانہوں میں آیا گیا
رَقص ہوتے رہے
عَیش چلتے رہے
دُھول اُڑتی رہی
دیوتا کے پُجاری کِنارے کھڑے ہاتھ مَلتے رہے
اَور اَندھی پُجارن کسی پیڑ کو
دیوتا جان کر
اُس کی شاخوں سے نیلی، ہری، جامنی
ڈوریاں باندھتی رہ گئی

بھُوک

مَیں بھیڑیا تھا

مَیں تیز رفتار، خون آشام بھیڑیا تھا

مِرے بدَن پر

طویل عَرصے سے سانپ بن کر

جو بھُوک لپٹی ہوئی تھی مجھ کو

بہت دِنوں سے وہ ڈَس رہی تھی

وہ رَفتہ رَفتہ مِرے بدَن کو نگل رہی تھی

یہ زہر مجھ کو مزید وَحشی بنا رہا تھا

میں بھیڑیا تھا

غزال تھی وہ

اور اِس بیاباں کی وُسعتوں کا جمال تھی وہ

اَب اُس کے بارے میں کیا کہوں میں

سبک روی میں

خود آپ اپنی مثال تھی وہ

میں تاک میں تھا

میں چھ دنوں اور سات راتوں سے اس حسینہ کی تاک میں تھا

اب اس کے نزدیک آ گیا ہوں

مگر وہ میرے

بدن کی مشکوک، خون آلود بو کو پاتے ہی دوڑتی ہے

میں جست بھرتا ہوں اور سوچتا ہوں

کہ میری رفتار سے بچاری

سبک روی سے اگر نہ ہاری

تو جیت جائے گا سانپ بازی ....

حکمتِ عملی

اَبرہہ آ گیا
پھر سے اِس شہر میں
اَبرہہ آ گیا
جاؤ تم جا کے ہاتھی گِنو
اَور تُم جا کے کنکر چُنو
اَور تُم بھی سُنو!
حسبِ توفیق کانوں میں بھوسہ بھرو
اَور باقی کے سَب آسمانوں پہ نظریں جمائے رکھو
اُس ابابیل کی راہ تکتے رہو
جو دوبارہ مدَد کو نہیں آئے گی

صُورتِ حال

ڈیڑھ کمرے کی ایک دُنیا میں
ایک دستر ہے کچھ کتابیں ہیں
آنے جانے کا ایک دَروازہ
خیر آتا بھی کون ہے گھر میں!!
نام لیوا رفاقتوں کے امیں
دُور کے کچھ قریبی رِشتہ دار
کچھ نئے اور کچھ پُرانے یار
لااُبالی سے چار چھ شاعر
ایک ذہنی مریضہ قتالہ
اور کُچھ خواتین پختہ عُمروں کی

سابقہ ایک میری معشوقہ
اور دیگر کہ جن کا ذکر نہیں
خیر مجھ کو بھی کوئی فکر نہیں
آئے جائے کوئی بلا سے مری
دوستی ہوگئی فنا سے مری
اَب یہی طور چاہیئے مجھ کو
چائے اِک اور چاہیئے مجھ کو!!

ہمارے کمرے کو کیا ہوا ہے؟

ہمارے کمرے کو کیا ہوا ہے؟
یہ چھت کا پنکھا
گھڑی کو ہفتوں سے تک رہا ہے
گھڑی کے کانٹے
کو چھ کے ہندسے نے اپنے سینے پہ رکھ لیا ہے
وہ مَر گیا ہے
پُرانی چادر پہ سَلوٹیں ہیں
اَور اَب یہ بستر
جو خود بھی اتنا نیا نہیں ہے
پُرانی چادر سے تھک گیا ہے
سو آج اِس سے اُلجھ پڑا ہے
اَور اِس ہی کمرے کے ایک کونے پہ گرد آلود کینوس پر
جو بارہ رنگوں کی تیس رنگین تتلیاں تھیں

وہ اُڑ گئی ہیں

سُنا ہے قالین کا سنی تھا!!

سُنا ہے دِیوار اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھے کھڑی ہوئی ہے

سُنا ہے کل ہی بڑی ہوئی ہے

اَور آج مجھ سے وہ پوچھتی ہے

جو ماجرا ہے

تمہارے کمرے کو کیا ہوا ہے؟؟؟

کافکا

بس تمہارے لئے
رَوشنی سے پَرے بیسیوں سُورجوں دُور
آباد اِک سلطنت میں سجے
شاہی دربار سے
ایک سلطان نے
بسترِ مرگ پر اپنے قاصد کے کانوں میں کچھ کہہ دیا
بَس تمہارے لئے
اس کا قاصد چلا
سارے دَرباریوں کو ہٹاتا ہوا
محل کی سیڑھیوں سے اُترتا ہوا
تنگ راہداریوں سے گزرتا ہوا
پہلے دالان سے دُوسرے، تیسرے تک پہنچتا ہوا
وہ تمہارے لئے
اپنے سلطان کے آخری شاہی پیغام کو

من وعن اپنے سینے میں لے کر چلا ہے مگر

تنگ راہداریاں

سیڑھیاں، راستے

ایک دالان

پھر دُوسرا، تیسرا

جس کے آگے وہی تنگ راہداریاں، سیڑھیاں، راستے

پھر بھی بالفرض وہ

ان سبھی راستوں

سیڑھیوں تنگ راہداریوں سے گزر کر بڑے باغ میں

اس بڑے دَر سے آگے نکل بھی گیا

ایسا ہونا نہیں

پھر بھی گر ہو گیا

تو پھر اس محل کے گرد اس کے لئے دُوسرا محل ہے

جس کے اطراف میں تیسرا محل بھی

راستوں، سیڑھیوں تنگ راہداریوں سے بھرا۔۔۔اور تم

اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھے رہو

آسماں کو تکو

اپنے پیغام کے منتظر

جو کبھی تم کو ملنا نہیں

ایک بے ربط خواب

رات ایک آنکھ پر

خواب وارد ہوا

نیل میرے لئے

اپنے سینے کو دولخت کرتا ہے اور مجھ سے پہلے وہاں

میرے نقشِ قدم

منتظر ہیں کہ میں اپنے لختِ جگر کی بلی دُوں

جسے ایک مچھلی نے اَب تک کسی بھی جزیرے پہ اُگلا نہیں

اُور شہنشاہ تک

مجھ نجومی کا پیغام پہنچا نہیں

اَب اسے آنے والے کسی سے کوئی

خاص خطرہ نہیں

خواب بے ربط ہو کر بھی ٹوٹا نہیں

آنکھ صدیوں کی اس نیند میں

ایک بازار میں

اپنے آنسوؤں کا سکہ لئے در بدر
یہ تسلی کیے جا رہی ہے کہ وہ اس زمانے سے پہلے بھی
موجود تھی
اس کا آنسو مقدس تو ہے
رائج الوقت آنسو نہیں
سو وہ چلتا نہیں
خواب پر ایک قانون لاگو ہے اور خواب بے ربط ہے
پر وہ قانون جو ثبت ہے
میں نے اِس کے تحت
آج دریا میں کشتی اتاری نہیں
حکمِ سرکار ہے
رات دِیوار ہے
خواب دیوار کو چاٹتے ہیں مگر
رات بھر اور بس رات گھر
ہاں مگر ایک دِن
خواب راتوں سے باہر نکل جائیں گے
اُور آنکھوں کو میری نگل جائیں گے

اسرافیل

خدائے برحق
نجانے کب سے
میں تیرے قدموں میں سانس روکے پڑا ہوا ہوں
خدائے واحد
تو منفرد ہے
تو لم یلد ہے
تو میرے جیسا نہیں ہے
میری گھٹن سے واقف نہیں ہے
لیکن میں گھٹ رہا ہوں
خدائے مدوجزر
میں اپنے گلے پہ، سینے پہ ہاتھ رکھے تڑپ رہا ہوں

خدائے روزِ ازل یہ سینہ

کہ جس میں تو نے وہ سانس پھونکا ہے

جس نے کوہ وجبل کو روئی میں ڈھالنا ہے

ترا امیں ہے

تری امانت کو اپنے اندر سنبھالتا ہے

خدائے برتر

رحیم ہے تو

کریم ہے تو

تو پھر اجازت مجھے بھی دے دے

میں سانس لے لوں!!!!

ایک بہروپیا جس کو نسیان تھا

رات پھر
آئینے میں پڑی ایک صورت کو مشکوک نظروں سے مَیں
دیکھتا ہی رہا
میری شکّی نگاہوں کی حِدّت، تمازت سے صورت تو پگھلی
نہیں
اَور صورت بھی صورت کی تصدیق کی
کوئی نکلی نہیں
خیر نکلے بھی کیوں
جب زمانوں سے مَیں
نت نئی صورتیں حسبِ حالات و منشا بدَلتا رہا
رُوپ بہروپ کو
آئینہ دیکھ کر ہاتھ مَلتا رہا
کھیل چلتا رہا
مَیں وہ بہروپیا
مَیں وہ بد بخت بہروپیا
جس کو Amnesia یعنی نِسیان لاحق رہا

اَصل صورت مری

مجھ میں دھُندلا گئی

اِس لئے رات بھر

نِت نئے رُوپ میں

رُوپ بہروپ میں

کینوس پر مسلسل بکھرتی ہوئی

میز کی کچھ درازوں میں رکھی ہوئی

ملگجے سے فریموں میں لٹکی ہوئی

گرد آلود اِس آئینے میں پڑی

اپنے چہرے کی اُترن کو میں

اپنی مشکوک آنکھوں کو یہ سوچ کر

دیکھتا ہوں مبادہ یہ صورت جو ہے

میری صورت نہیں

ایک بھُولا ہوا

میرا بہروپ ہے

Scanned by CamScanner

ملال

مجھے افسوس ہے

اتنا الجھنے پر کہ تیرے ہاتھ

جن کو یہ تمنا تھی

کہ میری گتھیاں کھولیں

وہ اب مجبور ہیں

ان گتھیوں میں انگلیوں کو چھوڑ کر واپس پلٹنے پر

میں سلجھا تو نہیں لیکن

تری ان انگلیوں کی خون سے رستی ہوئی پوریں

مری ان گتھیوں میں رہ گئی ہیں

HomoSexual

قصور کیا ہے

نہ جانے ایسا گناہ کیسے ہوا ہے ہم سے

جو چھپ رہے ہیں

خود اپنی حسرت سے جو ہمارے

ہی خال وخد میں

عجیب مد میں

نہاں ہے لیکن

ہماری آنکھوں سے منکشف ہے

ہماری خواہش کا جو بدن ہے

بدن کی خواہش سے مختلف ہے

تم ہی بتاؤ یہ کس کی خامی کا معترف ہے

ہمارے احساس کس کے سانچے میں ڈھل کے

کس کے بدن میں اترے ہیں

اب نجانے وہ کیا تقاضے ہیں جن کو اعضاء

(جو تم نے خود ہی ہماری خاطر بنائے ہوں گے)

کسی بھی صورت سے پورا کرنے کی جستجو میں

خود اپنے ہونے پہ مضمحل ہیں

سو چیختے ہیں

" ہم اس لئے تو نہیں بنے تھے "

یہ کیسی حسرت ہے۔۔ کیا ضرورت ہے؟

جس پہ حیرت ہے مرد و زن کو

کہ اس بدن کو

بس اپنے جیسے بدن کی خواہش نے رول رکھا ہے

اور یہ خواہش

جو خود ہماری نہیں ہے بلکہ

کسی کو ورثے یا تو دھوکے میں یا تو خامی سے

اس بدن میں رکھی گئی ہے

جو اس کی خاطر بنا نہیں ہے

بدن ہمارا

جو ہم نے خود سے چنا نہیں ہے

خود اپنی خواہش کو جب کراہت سے دیکھتا ہے

تو سوچتا ہے

قصور کیا ہے؟؟؟

Hallucination

میں اپنے بند کمرے میں پڑا ہوں
اور اک دیوار پر نظریں جمائے
مناظر کے عجوبے دیکھتا ہوں
اسی دیوار میں کوئی خلا ہے
جو مجھ کو غار جیسا لگ رہا ہے
وہاں مکڑی نے جالا بُن لیا ہے
اُسی میں ایک مردہ چھپکلی ہے
کئی صدیوں سے جو ساکت پڑی ہے
اب اس پر کائی جمتی جا رہی ہے
اور اس میں ایک جنگل رہا ہے
درختوں سے پرندے گر رہے ہے
کلہاڑی شاخ پر لٹکی ہوئی ہے
مسلسل تیز بارش ہو رہی ہے
کسی پتے پہ گر کر ایک قطرہ
اچانک اک سمندر بن گیا ہے
سمندر ناؤ سے لڑنے لگا ہے
مچھیرا مچھلیوں میں گھر گیا ہے

اور اب پتوار سینے سے لگا کر

وہ نیلے آسماں کو دیکھتا ہے

جو یکدم زرد پڑتا جا رہا ہے

وہ کیسے ریت بنتا جا رہا ہے

اور اب میں ایک صحرا دیکھتا ہوں

کہ اس میں دھوپ کی چادر بچھی ہے

مگر وہ اک جگہ سے پھٹ گئی ہے

وہاں پر ایک سایہ ناچتا ہے

جہاں بھی پیر دھرتا ہے وہاں پر

سنہرے پھول کھلتے جا رہے ہیں

یہ صحرا باغ بنتا جا رہا ہے

اب اس میں تتلیاں آنے لگی ہیں

پروں میں جن کے نیلی روشنی ہے

وہ ہر پل تیز ہوتی جا رہی ہے

جو میری آنکھ میں چبھنے لگی ہے

سو میں نے ہاتھ آنکھوں پر رکھے ہیں

اور اب انگلی ہٹا کر دیکھتا ہوں

میں اپنے بند کمرے میں پڑا ہوں

اور اک دیوار کے آگے کھڑا ہوں

خبیث

میں ایک لڑکی سے اُس کی آنکھیں اُدھار لایا
کہ اُس کی آنکھوں میں
اپنے حصّے کے خواب رکھوں
(جو بے تحاشا بکھر گئے ہیں)
پھر ایک عورت سے اس کا چہرہ
چرا کے لایا
کہ اس کی پرتوں میں اپنی صورت چھپا سکوں میں
کسی طوائف سے اس کا سینہ خرید لایا
اب اس کے سینے میں
مجھ کو اپنے
خبیث دل کی تمام وحشت
اتارنی ہے
یہ ساری وحشت اتار کر میں
کسی کی بیوی سے اس کی بانہیں
بھی مانگ لایا

یہ میری لغزش کے واسطے ہیں

اور اب اچانک!!

کسی کے آنچل کو دیکھ کر میں

پھر اس کی جانب لپک پڑا ہوں

میں ریزہ ریزہ ہوں

کرچی کرچی سمیٹنے میں

جُتا ہوا ہوں

حنا

حنا تو بری ہے

حنا تیرے سینے میں بھوسہ بھرا ہے

حنا تیری آنکھوں میں پتھر جڑے ہیں

حنا تیری گردن سے باسی تباسی مہک آرہی ہے

حنا تیری باہیں قفس ہیں،

یہ لب کیکٹس ہیں

بدن پر تو اب برف جمنے لگی ہے

جو پگھلی نہیں

پر چٹخنے لگی ہے

تمنا ہمیشہ......

جو رانوں کے مابین دم توڑتی تھی

ہتھیلی پہ ماری گئی ہے

رگوں میں تری جو لہو دوڑتا تھا

وہ اب ریت بن کر

نسوں سے سرکتا ہوا تیری پوروں سے جھڑنے لگا ہے

حنا تیرا چہرہ بگڑنے لگا ہے

تمنا کے مدہم چراغوں کا

سانس اب اکھڑنے لگا ہے

تنفس ہوا سے الجھنے لگا ہے

جبیں تیری کشکول ہوتی چلی جا رہی ہے

ترے خال خد کی جو بوسیدگی ہے

مجھے بھی پرانا کئے دے رہی ہے

حنا......!!

تو مجھے اب بری لگ رہی ہے

والعصر

نظم پہلی اکائی سے نکلی ہوئی

روشنی کا جھماکا ہے جو

روشنی

پہلا امکان تھی

نظم پہلے پہل جو تھی حیوان تھی

نظم چلتی گئی......اور قرنوں چلی

تیرنے بھی لگی

رینگنے بھی لگی

پھر یہ گھٹنوں چلی اور کھڑی ہو گئی

اب یہ انسان ہے

خود پہ حیران ہے

وہم تھی......اب تیقن ہے، ایقان ہے

نظم حرفِ دعا

نظم قرآن ہے

نظم گیتا ہے، انجیل ہے، وید ہے

نظم اک بھید ہے، بھید جس پر کھلے
نظم جس کو ملے......وہ مسیحا بنے
نظم سینے میں جس کے بھی اترے

پڑھے
اور بڑھنے لگے
اوّلیں اسم کو جس نے پیدا کیا
خونِ بستہ سے انسان کو
نظم تجسیم ہوتا ہوا جسم ہے
جسم کی جان ہے، یہ وہ میزان ہے
جس پہ قائم ہوئے ہیں زمان ومکاں
ہفت افلاک بھی، تودہء خاک بھی
تودہء خاک یعنی کہ میں اور تم
یعنی میں اور تم!!
نظم کی لائنیں جو مسلسل بدلتی چلی جا رہی ہیں ہیں کسی نظم میں
ان کی بے ربطگی.....ربط کے واہمے سے انہیں جوڑ رکھتی ہے
اک وقت تک
اور پھر اپنے عنوان سے
منحرف ہو کے مٹتی ہوئی لائنیں
لائنیں......لائنیں یعنی ہم......!!

It has been almost ten years, nearly a decade of colors never known to anyone. When one is with Aami, one gets to wake up to a new man every morning, and often even a child who throws silly jokes at you to make you laugh. There are times when I encounter an old man in that very child, an old, grey man staring into the mist of nothingness. Sometimes in that old man a young lad madly in love with me and the very next moment in that young lover I behold a stranger, looking at me with his cold eyes. I have seen those eyes smiling with the purest of smile there ever could be, surrounded with many friends, young and old with suitors with lovers, enchanting and making them feel comfortable and I have seen those eyes fast fixed on the wall for long hours. Sometimes they go right through me making me feel invisible. Yet, I remain there knowing that there is another morning with a new face of my old love and I can never get tired of this. Once I was asked that if he was not a poet what do you think he would have been and I answered even if he stops writing now he will remain every inch a poet. I can say that with certainity for it is only I, who have seen him suffer his words, and I won't hesitate in saying that poetry for him, is rather a curse than a blessing. The pain that he endures for every single couplet he had written is visible in every invisible wound he gave himself. No I don't want him to suffer even a day more and neither I want him to stop . So the best I can do is to stay there only to wake up to a new man every morning.
Adios!
Aisha Kiran